دہلی سے سہارنپور تک

ایک سفر

علامہ ارشد القادری

ناشر، جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
نور مسجد کاغذی بازار کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

سلسلہ مفت اشاعت : ٦٦

نام کتاب : دہلی سے سہارنپور تک ایک سفر

مصنف : علامہ ارشد القادری

ضخامت : ۳۲ صفحات

تعداد : ۱۰۰۰

سن اشاعت : جنوری ۱۹۹۹

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی

☆ پیش لفظ ☆

زیر نظر کتابچہ "دہلی سے سہارنپور تک" دراصل ایک سفر کی روئیداد ہے۔ یہ سفر ہندوستان کے ایک شہر دہلی سے سہارنپور تک کیا گیا اور سفر کرنے والے اہل سنت و جماعت کے مشہور و معروف عالم دین حضرت علامہ ارشد القادری ، اور ان کے ساتھی تھے اس سفر کے دوران راستے میں دیوبندی اکثریت کے مشہور شہر تھانہ بھون، نانوتہ، گنگوہ، انبیٹھ وغیرہ پڑتے ہیں قبلہ مفتی صاحب نے اس سفر میں حضرات دیوبند کو ان تمام معمولات میں مشغول و ملوث دیکھا جو کہ اہل سنت و جماعت کے یہاں رائج ہیں اور جنہیں دیوبندی شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ کتاب جمعیت اشاعت اہلسنّت کی جانب سے شائع ہونے والی ٦٧ ویں کتاب ہے امید ہے کہ ہماری پچھلی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی قارئین کرام کے علمی ذوق پر پورا اترے گی۔

فقط

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک سفر

دہلی سے سہارنپور تک

آج سے تین چار سال پیشتر ہماری تحریک پر سہارن پور میں جامعہ غوثیہ رضویہ صابریہ کے نام سے پہلی بار اہل سنت کے ایک دینی تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔ اور حکیم سید محمد احمد کے نام کے ایک مومن مجاہد کو اس کا مہتمم نامزد کیا گیا۔ میرے اصرار پر انہوں نے وسط شہر چمن آباد میں تین بیگھے کا ایک قطعہ اراضی تلاش کیا جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار تھی میں نے ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر بیعانہ کر لیجئے سہارن پور کے مٹھی بھر سنیوں میں اگر اسے خریدنے کی سکت نہیں ہے تو کیا ہوا خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ ہم اپنی بے سروسامانی کے عالم میں خدا کی کارساز رحمتوں کا کھلی آنکھوں سے تماشا دیکھیں گے۔

میری گذارش کے مطابق بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد رجسٹری کے لئے ایک سال کی مہلت حاصل کر لی گئی۔ مدن پورہ بنارس کے رؤسائے اہل سنت کو خدائے کریم و کارساز دونوں جہان کی ارجمندیوں' نعمتوں اور عزتوں سے سرفراز کرے کہ ہماری تحریک پر ان لوگوں نے اپنی تجوریوں کا منہ کھول دیا اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ہم جلد ہی اس قابل ہوگئے کہ زمین کی رجسٹری

کرالیں۔ حکیم صاحب کی ہمت مردانہ، مشکلات کی زد پر سینہ تانے کھڑی نہ ہوتی تو یقین کیجئے کہ ہم اس کامیابی کا منہ ہرگز نہ دیکھ سکتے جواب ہر گوشے سے دیکھنے کے قابل ہے۔ **فالحمد للّٰہ علی ذالك**

سہارن پور دیوبندی مسلک کے لوگوں کا شہر ہے۔ لیکن وہاں کے عوام کی اکثریت حضرت صابر کلیری کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتی ہے۔ اس رشتہ سے ہم بہت پرامید ہیں کہ عقیدت کا یہ اشتراک کبھی نہ کبھی انہیں ہمارے قریب ضرور لائے گا۔ شروع شروع وہاں کے لوگ جامعہ غوثیہ رضویہ صابریہ کی تحریک کو خواب وخیال سمجھتے تھے لیکن زمین کی رجسٹری ہو جانے کے بعد انہیں احساس ہوگیا کہ منصوبہ ہوا پر نہیں ہے پھر سہارن پور کے مطلع پر اس دن ہم بہت زیادہ نمایاں ہوگئے جس دن جلسہ سنگ بنیاد کا پوسٹر وہاں کی دیواروں پر پڑھا جانے لگا جس میں صاف صاف تحریر تھا کہ ۲۵'۲۶ اپریل ۱۹۸۷ء کو اہل سنت کے اکابر و مشاہیر کے مقدس ہاتھوں سے جامعہ غوثیہ رضویہ کی مجوزہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔

چوں کہ جلسۂ سنگ بنیاد کے پروگرام اور انتظامی امور کی ذمہ داری وہاں کے منتظمین نے بہت حد تک میرے سر بھی ڈال رکھی تھی اس لئے دو دن پیشتر ہی ۲۳ اپریل کی صبح کو دہلی سے بذریعہ کار سہارن پور کے لئے روانہ ہوگیا۔ اہل سنت کے مشہور خطیب حضرت مولانا ارشد القادری اور مولانا غلام رسول بلیاوی بھی جلسۂ سنگ بنیاد میں حصہ لینے کے لئے میرے شریک سفر ہوگئے۔

ہمارا قافلہ تھانہ بھون میں

دہلی سے روانہ ہو کر ہماری کار اس شاہراہ سے گزر رہی تھی جس کے دونوں طرف اکابر دیوبند کی بستیاں تھانہ بھون' شاملی' نانوتہ' انبیٹھ اور گنگوہ واقع ہیں۔ جب ہم تھانہ بھون کے قریب پہنچے تو یک بیک دل میں خیال گزرا کہ کتابوں میں جس تھانہ بھون کو اذیت و کرب کے ساتھ پڑھا تھا ذرا آنکھوں سے بھی اسے چل کر دیکھ لیا جائے شاید اندرون خانہ کی کچھ نئی گرہیں کھلیں اور کچھ نئے انکشافات سامنے آئیں۔ تھانہ بھون کی آبادی میں داخل ہونے کے بعد ہم سب سے پہلے خانقاہ تھانویہ امدادالعلوم میں گئے یہی وہ جگہ تھی جہاں مولوی اشرف علی سالہاسال تک مقیم رہے اور یہیں سے انہوں نے ساری دنیا میں اہانت رسول اور تنقیص اولیاء کے مشن کو پھیلا کر فتنہ وہابیت کا مدعا پورا کیا۔

جیسے ہی ہم ان کی خانقاہ میں داخل ہوئے ہمیں اس کے جنوبی برآمدے میں ایک قبر نظر آئی جسے میلے کچیلے ٹاٹ سے ڈھک دیا گیا تھا لوگوں نے بتایا کہ صاحب مزار تھانوی صاحب کے سلسلہ طریقت میں آتے ہیں۔ ہم نے صاحبِ مزار کو مخاطب کر کے دل ہی دل میں کہا کہ جایئے بچ گئے ......!اگر تھانوی صاحب کے بزرگوں میں نہ ہوتے تو آپ کا مدفن تلاش کرنے پر بھی نہ ملتا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ تھانوی صاحب نے بہشتی زیور میں بزرگوں کے مزارات پر چادر چڑھانے کو بدعت و حرام لکھا ہے لیکن یہاں کپڑے کی چادر نہ سہی ٹاٹ کی چادر دیکھ کر وہ مثل یاد آگئی کہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

خانقاہ کے برآمدے میں پہنچنے کے بعد ہمیں اس کی دیوار پر جلی قلم سے ایک تحریر نظر آئی:۔

نشست گاہ حکیم الامتہ مولانا تھانوی

یہ تحریر پڑھنے کے بعد ہم دیر تک سوچتے رہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے محبوب الٰہی کی یادگاروں' نشانیوں اور نسبتوں کو مٹانے کی پوری قوت کے ساتھ تحریک چلائی گئی تھی۔ اگر وہی شریعت اسلامی کا اصل منشاء تھا اگر اسی سے عقیدہ توحید کا تحفظ ہو سکتا تھا تو پھر یہ نشست گاہ حکیم الامتہ کا مطلب کیا ہے...... ؟ کیا یہ ان کی یادگار' ان کی نشانی اور ان کی نسبت کو باقی رکھنے کی ایک نامحمود کوشش نہیں ہے...... ؟ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ تھانوی صاحب کی نشست گاہ کو نہ ذہن و نگاہ سے مٹنے دیا جائے اور نہ زمین کے جغرافیہ سے، لیکن دوسری طرف اپنی اسی نشست گاہ سے تھانوی صاحب نے ان نجدی درندوں کو تہنیت اور مبارک بادی کا پیغام بھیجا تھا۔ جنہوں نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں رسول عربی حبیب کبریا ﷺ کی مقدس یادگاروں کو زمین کے نقشے سے صرف اس لئے مٹا دیا تھا کہ عشاق انہیں دیکھ کر معلوم کرتے تھے کہ یہاں حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی' یہاں حضور ﷺ جلوہ فرما ہوئے تھے۔ یہاں حضور ﷺ نے آرام فرمایا تھا اور حضور ﷺ کو یہاں فلاں واقعہ پیش آیا تھا۔ دیوبندی مسلک کے مطابق رسول پاک ﷺ کی وہ ساری یادگاریں اس لئے ڈھادی گئیں کہ ان سے عقیدہ توحید کے تقاضوں کو ٹھیس پہنچتی تھی اور عشق و عقیدت کے وہ

سارے نقشے زمین سے اس لئے مٹا دیئے گئے کہ ان سے شرک وبدعت کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا تھا۔ لیکن تھانہ بھون میں تقویۃ الایمان کے مصنف کی روح چیختی رہی، بہشتی زیور کا ورق ورق سر پٹکتا رہا مگر اس کے باوجود نشست گاہ حکیم الامتہ پر آنچ تک نہ آئی۔ اسے کہتے ہیں اپنے اور بیگانے کا فرق!

دیوبندی مذہب کے خونریز تصادم پر ہم محو حیرت ہی تھے کہ اچانک نگاہ اٹھی اور نشست گاہ حکیم الامتہ کی سطر کے نیچے ایک اور سطر مجھے نظر آئی۔

ولادت ۱۲۸۰ھ ....وفات ۱۳۶۲ھ

دل نے کہا میلاد اور عرس تو تھانوی صاحب کے یہاں حرام تھا پھر یہ ان کی ولادت اور وفات آخر کیا چیز ہے ...... ؟ اگر اس کا مدعا لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ تھانوی صاحب کی ولادت کب ہوئی تھی اور ان کی تاریخ وفات کیا ہے تو پھر امت کو یہ بتانے کی ضرورت کیوں نہیں ہے کہ پیغمبر اعظم ﷺ اور ان کے مقربین کی تاریخ وصال کیا ہے...... ؟

پھر سمجھ میں بات نہیں آتی کہ یہی حقائق ہم محفل میلاد اور تقریبات عرس کے ذریعہ زندہ رکھیں تو وہ حرام اور بدعت ہو جائیں اور یہاں نوشتہ دیوار کے ذریعہ شب وروز اپنے حکیم الامتہ کا میلاد و عرس منایا جارہا ہے تو وہ جائز ہی نہیں باعث برکت اور کار ثواب ہے۔

خانقاہ کے ایک صاحب جو میرے پاس ہی کھڑے تھے میرے تیور سے غالباً انہوں نے میرے احساسات کا اندازہ لگا لیا اور صفائی پیش کرنے کے انداز میں کہنے لگے۔ ہمارے حضرت دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ ان سے اگر

زندگی میں دریافت کیا گیا ہوتا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم لوگ آپ کی نشست گاہ کو بطور یادگار محفوظ رکھیں گے تو وہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتے۔ یہ سارا کاروبار بعد والوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اسی دوران تھانوی صاحب کی نشست گاہ کی پشت پر مجھے ایک کوٹھری نظر آئی جس کی پیشانی پر جلی حرفوں میں لکھا تھا۔

خلوت گاہ حضرت حافظ محمد ضامن شہید

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر جھانک کر دیکھا تو ایک صاف ستھرا مصلیٰ بچھا ہوا تھا اور بس...... ! ابھی میں خلوت گاہ کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ مولانا ارشد القادری نے قبلے کی سمت میں واقع ایک اور کوٹھری کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر موٹے قلم سے لکھا ہوا تھا۔

خلوت گاہ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

نوشتہ دیوار پڑھتے ہوئے ہم تیزی سے اس طرف بڑھ گئے۔ اس خلوت گاہ کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں بھی اندر ایک مصلیٰ بچھا ہوا تھا جو کسی سجدہ کرنے والے کا منتظر تھا۔ دونوں خلوت گاہوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم سوچنے لگے مدت ہوئی ان خلوت گاہوں میں عبادت و ریاضت کرنے والے عبادت و ریاضت کر کے اس دنیا سے چلے گئے لیکن آج ان حجروں میں مصلیٰ بچھانے کا کیا مصرف ہے...... ؟ نماز پڑھنے کے لئے ساری مسجد پڑی ہے۔ آخر یہاں کس کے لئے مصلیٰ ہر وقت تیار رکھا جاتا ہے...... ؟ ذہن پر زور دینے کے بعد سمجھ میں آیا کہ یہاں جو

عقیدت مند حضرات خانقاہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں وہ نسبت کا فیض اور برکت حاصل کرنے کے لئے ان مصلوں پر نماز ادا کرتے ہوں گے۔ کیوں کہ اگر چہ یہ مصلیٰ بعینہٖ وہ مصلیٰ نہیں ہے جس پر حافظ محمد ضامن شہید اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے نمازیں پڑھیں تھیں لیکن جگہ بہر حال وہی ہے جہاں انہوں نے اپنے اپنے مصلیٰ بچھائے تھے۔

محبت کی دنیا میں حصولِ برکت اور اظہارِ عقیدت کے لئے محبوب کے ساتھ اتنا تعلق بھی بہت کافی ہے۔ لیکن پھر وہی سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ محبت کی دنیا کا یہ دستور حجاز مقدس کی سرزمین پر کیوں ناقابل برداشت ہے۔ کیوں وہاں وہ ساری مسجدیں توڑ دی گئیں جہاں حضور پاک ﷺ نے نماز پڑھی تھی اور جہاں حصول برکت اور اظہارِ عقیدت کے طور پر دور دراز خطہ ارض سے آنے والے عشاق نماز پڑھ کر نسبت کے فیضان سے مشرف ہوتے تھے۔

ہم نے دل میں سوچا کہ یہاں تو یہ عذر بھی اب چلنے والا نہیں ہے کہ ہمارے حضرت دین میں بہت سخت تھے اگر وہ زندہ ہوتے تو ہر گز برداشت نہیں کرتے کہ خلوت گاہوں کی اس طرح نمائش کی جائے کیوں کہ یہ سارا کاروبار تو حضرت ہی کے زمانے سے چلا آرہا ہے جو آج تک قائم ہے۔

اب دیوبندی جماعت کے علماء ہی کو اس مشکل کا حل تلاش کرنا ہے کہ خانقاہ تھانویہ کی بدعتیں ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کے چوکھٹے میں بغیر شکست و ریخت کے کیوں کر فٹ ہو سکیں گی......؟

ایک اور عبرت ناک تماشہ

سہ دری والے برآمدے سے لوٹتے ہوئے میری نظر ایک فریم کئے ہوئے کاغذ پر پڑی جسے تھانوی صاحب کی نشست گاہ والی دیوار میں آویزاں کیا گیا تھا اس کاغذ کو غور سے دیکھا تو اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ ؎

اس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو با چشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستان خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

(۲)

جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی
ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطبِ ارشادِ عالم
یہ تھی تربیت گاہ روئے زمین کی

یہ اشعار پڑھ کر مجھے زلزلہ کے مباحث یاد آگئے میں بار بار سوچتا رہا کہ آخر دیوبندی حضرات کے یہاں دو طرح کی شریعتیں کیوں ہیں۔ ایک شریعت تو وہ ہے جو اپنی کتابوں میں وہ ظاہر کرتے ہیں اور جس کے چلتے ساری دنیا سے کٹ کر وہ تنہا رہ گئے ہیں۔ اور دوسری شریعت وہ ہے جو ان کے گھروں میں نظر آتی ہے اور دونوں شریعتیں ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں۔

مثال کے طور پر ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں ان لوگوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے جو دور دور سے سفر کر کے کسی مکان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مدینہ شریف جانے والوں کو یہ لوگ تاکید کرتے ہیں کہ روضہ پاک کی زیارت کی نیت نہ کریں بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کریں لیکن یہاں خانقاہ تھانویہ کی "اس سہ دری اشرف فردوس مکاں " کے لئے لوگوں کو کھلے بندوں ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اس کی زیارت کے لئے آئیں اور اس شان سے آئیں کہ آنکھیں فرط عقیدت سے نم ہوں۔

اب آپ ہی ایمان کو گواہ بنا کر فیصلہ کیجئے، کہ ایک طرف تو امت کو اپنے نبی کے روضہ کی زیارت سے روکا جارہا ہے اور دوسری طرف " سہ دری اشرف فردوس مکاں" کی زیارت کے آداب سکھائے جارہے ہیں

یہ بیں تفاوت رہ از کجا است تابہ کجا

اسی کے ساتھ طالبان حق کے لئے ایک سوالیہ نشان یہ بھی ہے کہ کیا تھانہ بھون کی اس سہ دری کو "اشرف فردوس مکاں" کہنا، عقیدت کا وہ غلو نہیں ہے جس کی مذمت میں تقویۃ الایمان کے ورق کے ورق سیاہ ہیں...... ؟

اور پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ پر بے لاگ توجہ کا طالب ہے کہ " جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی" اس مصرعہ کا صحیح مصداق مدینہ منورہ ہے یا تھانہ بھون...... ؟

ایمان کا ضمیر ان سوالوں کا کیا فیصلہ کرے گا اسے سننے کے لئے گوش بر آواز رہئے۔

اور " یہاں رہتے تھے قطب ارشادِ عالم "اس کے متعلق بھی بتایا جائے کہ اس مصرعہ میں قطب کا لفظ کہاں سے مستعار لیا گیا ہے اور کیوں لیا گیا ہے کیوں کہ غوث و قطب اور مخدوم و خواجہ جیسے ڈھلے ہوئے الفاظ تو اہل بدعت کے یہاں رائج ہیں۔ اور صرف الفاظ ہی نہیں رائج ہیں بلکہ ان کے پیچھے تکوینی اختیارات و تصرفات کا ایک مربوط عقیدہ بھی کار فرما ہے جسے تقویۃ الایمان والے مشرکانہ عقیدے سے تعبیر کرتے ہیں۔

تقویۃ الایمان اور بہشتی زیور میں شرک وبدعت کی جو تعزیرات نقل کی گئی ہیں اگر ان سے انحراف ہی کرنا تھا تو تھانہ بھون والوں کو صاف صاف اعلان کر دینا چاہئے تھا کہ ہم نے اپنا پرانا مذہب تبدیل کر کے اب شرکیہ عقیدوں سے مصالحت کر لی ہے۔

تھانوی صاحب کی قبر پر ایک مجاور

خانقاہ تھانویہ کا جائزہ لینے کے بعد ہم لوگوں نے سوچا کہ ذرا تھانوی صاحب کے مقبرے کو بھی دیکھ لیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اجمیر اور کلیر پر انگلی اٹھانے والے اپنے گھر میں کتنے صاف ستھرے ہیں۔

خانقاہ والوں نے بتایا کہ تھانوی صاحب کی قبر ایک باغ میں ہے جو یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے راستہ دکھانے کے لئے خانقاہ کے دو طالب علم ہمارے ساتھ

کار میں بیٹھ گئے۔ کچھ دوری پر ہم نے کار کھڑی کر دی اور اتر کر پیدل چلنے لگے۔ باغ کے باہر ہمیں ایک چہار دیواری نظر آئی اس پر چاروں طرف سے لوہے کی ایک جالی لگی ہوئی تھی اندر ایک قبر تھی جو خاصی اونچی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ "حافظ محمد ضامن شہید" کی قبر ہے۔

اس خطہ میں عمارت والی ایک قبر دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی ہم دیر تک سوچتے رہے کہ تقویۃ الایمانی مذہب میں تو کسی قبر کے ساتھ اتنا اہتمام بھی شرک سے کم نہیں ہے، پھر تعجب ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنی زندگی میں شرک وبدعت کے اس صنم کدے کو کیوں کر گوارہ کیا۔ مدینہ منورہ کے جنت البقیع اور مکہ مکرمہ کے جنت المعلی کی قبروں کی طرح اس قبر کی عمارت بھی کیوں نہیں ڈھادی گئی۔

بہر حال دیوبند کے دورُخے مذہب کا یہ تماشا دیکھتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ چند ہی قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم اس باغ کے اندر تھے جہاں تھانوی صاحب کی قبر تھی۔ دور ہی سے ہمیں ایک آدمی نظر آیا جو قبر کے آس پاس جھاڑو دے رہا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مجاور صاحب ہیں جو شب وروز یہیں رہتے ہیں اور قبر کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ ان کی قبر کے بالکل سامنے ہی ایک نہایت عالی شان عمارت نظر آئی۔ خانقاہ سے ساتھ آنے والوں نے بتایا کہ یہ "آستانہ قدسی" ہے تھانوی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اس عمارت کی تعمیر کرائی تھی اور ایک قطعہ تاریخ سنگ مرمر پر کندہ کرواکر اسے عمارت کی پیشانی پر نصب کر دیا تھا۔

قطعہ تاریخ کی عبارت جو میں نے لوح تاریخ سے نقل کی تھی وہ یہ ہے ۔

کرد قدسی نزول چوں ایں جا
جستم از دل سن ظہور و سرور
گفت دل "آستانہ قدسی"
ہم بیفزا برو تجلی طور

آخری کلمہ :

یہاں تک جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ میرے عینی مشاہدات ہیں جنہیں نہایت دیانت داری کے ساتھ ذہن سے کاغذ پر منتقل کیا ہے۔ جھٹلانے والوں کو میرا ایک ہی جواب ہے کہ وہ تھانہ بھون کا سفر کر کے خانقاہ سے لے کر آستانہ قدسی تک جیتی جاگتی بدعات کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کیوں کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے...... ؟ اور اس کے بعد غیر جانب داری کے ساتھ میرے ان سوالات پر غور فرمائیں۔

☆ تھانوی صاحب کی قبر کی خدمت اور گردو پیش کی صفائی کے لئے ایک مجاور کی تقرری، کیا ان عقیدوں، فتووں اور تحریروں کے مطابق ہے جو تقویۃ الایمان، بہشتی زیور، فتاوی رشیدیہ اور براہین قاطعہ میں ہم پڑھتے ہیں۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ہمیں بدعتی اور قبوری شریعت کا طعنہ دینے والے اپنے گھر کا سومناتھ کیوں نہیں دیکھتے...... ؟

☆ تھانوی صاحب نے ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا تھا اس طرح ان کے انتقال

کو پینتالیس برس ہو گئے۔ اتنی طویل مدت کے بعد بھی "آستانہ قدسی" میں ان کی قبر کا نشان جوں کا توں موجود ہے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ہر سال ان کی قبر پر نئی نئی مٹی ڈالی جاتی ہے کسی قبر کو باقی رکھنے کے لئے اس طرح کے اہتمام کا کوئی جواز دیوبندی لٹریچر میں موجود ہو تو دکھلایا جائے...... ؟

☆ "آستانہ قدسی" پر تھانوی صاحب نے تجلی طور کی جوبات کی ہے اگر یہ صحیح ہے تو اسی تجلی کی تلاش میں دوسرے آستانوں پر جانے والوں کو شرک کہنے والے اپنے منہ پر تھپڑ کیوں نہیں مارتے...... ؟ ان سوالوں کے جوابات کے لئے ہم گوش بر آواز رہیں گے......!

ظلمت کدے میں ایک روشن چراغ

باغ سے باہر نکل کر جب ہم واپس جانے لگے تو خاصے فاصلے پر ہمیں پتھر کی ایک گنبد والی عالی شان عمارت نظر آئی۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ اس دیار کے مشہور بزرگ شاہ ولایت کا یہ روضہ مبارک ہے۔ خطۂ نجد میں شاہ ولایت کا نام سن کر دل پر وجد و مسرت کا ایک عجیب عالم طاری ہو گیا۔ وہیں سے ہم نے کار کا رخ موڑ دیا اور کشاں کشاں دربار میں حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر نحوستوں کے ویرانے اور رحمتوں کے کاشانے کا فرق ہمیں ماتھے کی آنکھوں سے نظر آیا ہر طرف گلشن فردوس کی خوشبو' چپہ چپہ پر فیضان کی بارش' عرفان الٰہی کی ایک شمع زمین کے تہہ خانے میں فروزاں تھی لیکن اس کی تجلی سے درودیوار جگمگا رہے تھے ہم روضہ شریف کے گنبد سے باہر نکلے تو خدام اور زائرین نے ہمیں گھیر

لیا لوگوں نے بتایا کہ صدیوں سے شاہ ولایت کا یہ آستانہ مرجع خلائق ہے ہر سال ۲۴' ۲۵' ۲۶ رجب کو یہاں عقیدت مندوں کا زبردست میلہ لگتا ہے۔ اس موقع پر جو چراغاں ہوتا ہے وہ اس دیار کی عجیب و غریب چیز ہے۔ انوار کی بارش سے سارا خطہ جگمگانے لگتا ہے شہر کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی ہزاروں افراد عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ ان ایام میں تین دنوں تک یہاں رحمتوں اور عقیدتوں کی بہار کا سماں رہتا ہے......!

شاہ ولایت کی شوکت اقتدار اور ان کی روحانی کشش کا قصہ لوگ اچھل اچھل کر سناتے رہے اور ہم مزے لے لے کر سنتے رہے اور ہر لمحہ ذہن کی سطح پر یہ سوال ابھرتا رہا کہ یہاں نہ اجمیر و کلیر کا کوئی مشرک ہے اور نہ بریلی کا کوئی بدعتی! آخر عرس و عقیدت کا یہ ہنگامہ شوق اس خطۂ نجد میں کس کی بدولت زندہ ہے...... ؟ ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ......! ؎

حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اس سرگزشت کے خاتمے پر دیوبندی مذہب کے رہنماؤں سے کان میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس مردہ مذہب کا جنازہ اٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ...... ؟ جو نہ آپ کے گھروں میں موجود ہے اور نہ آپ کی آبادیوں میں صرف کتابوں میں قید کر کے رکھنے کا مصرف، سوا اس کے اور کیا ہے کہ عوام کو لڑایا جائے، امت کا شیرازہ اتنا منتشر کر دیا جائے کہ وہ کبھی جمع نہ ہو سکیں۔

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے واپس ہوتے ہوئے مکتبہ ادارہ تالیفات اشرفیہ دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ مکتبہ کے مہتمم نے بتایا کہ سلسلہ امدادیہ کے مورث

اعلیٰ میانجیو نور محمد صاحب کی سوانح حیات پر ایک نئی کتاب شائع ہوئی ہے جو تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھی ہے۔ اس کتاب میں سلسلہ امدادیہ کے اکابر و مشائخ کے واقعات واحوال نہایت تفصیل کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔ اپنے اکابر کے سلسلے میں دیوبندی مصنفین کے مشرکانہ غلو سے چوں کہ میں خوب واقف ہوں اس لئے میں نے وہ کتاب خرید لی کہ ممکن ہے نشاندہی کے قابل کچھ چیزیں اس میں نکل آئیں۔

سہارن پور میں جامعہ غوثیہ رضویہ کے سنگ بنیاد کانفرنس کی مصروفیات کی وجہ سے کتاب کے مطالعہ کا موقع مجھے نہیں مل سکا لیکن اپنے مستقر پر واپس لوٹنے کے بعد جب میں نے کتاب کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کتاب کے مصنف نے اپنے مورث اعلیٰ کی سوانح حیات لکھنے کے بجائے اپنی جماعت کی مذہبی خودکشی اور فکری تصادم کی ایک نہایت خونریز تاریخ مرتب کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آنے والے اوراق میں کتاب کے اقتباسات پڑھنے کے بعد قارئین کرام میری اس رائے سے مکمل اتفاق کریں گے۔

کتاب کے مشتملات پر بحث کا آغاز کرنے سے پہلے قاری طیب صاحب آنجہانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک تحریر پیش کرنا چاہتا ہوں جو ٹائیٹل کے آخری صفحہ پر درج ہے۔ اس تحریر سے دیوبندی حلقے میں کتاب کی ثقاہت اور مقام اعتبار اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت قطب عالم میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہ العزیز کی ذات بابرکات سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ اکابر دیوبند میں ایک

غیر معمولی ہستی ہے۔ اس مقدس ہستی کی سوانح حقیقۃً تواریخوں اور دلوں میں لکھی لکھائی موجود ہے۔ علم و فضل کا کون خانوادہ اور کون فرد ہے جو اس نور محمد سے واقف نہیں لیکن رسمی طور پر صفحات قرطاس پر اس سوانح کے مرقوم ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ الحمد للہ اس ضرورت کو ایک حد تک جناب محترم نسیم صاحب علوی نے جو حضرت اقدس کی ذریت صالحہ میں ہیں، پورا کر دیا ہے۔ اور حضرت میانجیو صاحب قدس سرہ کے حالات طیبات جہاں تک انہیں کتب سے دستیاب ہو سکے انہوں نے ایک اچھی ترتیب اور ممکنہ تحقیق کے ساتھ قلم بند فرمادیا ہے جس کا یہ مجموعہ باصرہ نواز ناظرین ہو رہا ہے۔ ہم سب کو منشی صاحب ممدوح کا ممنون ہونا چاہئے کہ جنہوں نے اس مخفی اور منتشر علمی خزانے کو یکجا کر کے مستفیدین کو استفادہ کا موقع بخشا ہے حق تعالیٰ ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(سوانح میانجیو نور محمد، ٹائیٹل کا آخری صفحہ)

مصنف نے اصل موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کی تاریخ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ تقریباً ۵۷۶ھ میں سید سالار محمود سبزواری نام کے ایک بزرگ جو نجبار کے شہزادے تھے اور اپنے پیرومرشد کے حکم پر یہاں تشریف لائے اور انہوں نے جھنجھانہ کے ظالم و بدکردار راجہ کے

خلاف لشکر کشی کی اور اسے کیفر کردار تک پہنچایا اور اسی جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اسی نسبت سے انہیں امام شہید بھی کہا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ :

امام شہید رحمتہ اللہ علیہ کا مرقد مقدس بھی جھنجھانہ ہی میں ہے اور زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ دور و نزدیک کے مسلمان ہی نہیں بلکہ اہل ہنود حضرات بھی اس درگاہ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور نذر و نیاز کرتے ہیں۔ ماہ محرم کی ۱۲، ۱۳، ۱۴ تاریخوں میں آپ کا عرس بھی ہوتا ہے۔

(سوانح حیات حضرت میانجیو ص ۱۲)

اسی طرح شاہ اعظم خیالی نام کے ایک بزرگ کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ ۲۳ ذی الحجہ ۹۴۹ھ میں آپ کا وصال ہوا بروز دو شنبہ آپ کی فاتحہ سوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔!

۲۹ تاریخ دو شنبہ کے دن آپ کی مجلس سوم منعقد ہوئی جس میں اکثر اہل حال جیسے بندگی شیخ محمد یعقوب خراباتی، بندگی شیخ مبارک جھنجھانوی و شیخ یحییٰ مجذوب وغیرہ حاضر تھے۔

(سوانح حیات حضرت میانجیو ص ۲۹)

یہاں یہ بات نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ قصبہ جھنجھانہ میں عرس، نذر و نیاز، مجلس سوم، مرقد و گنبد اور اہل حاجات کی یہ ساری منہ بولی بدعات اس وقت سے رائج ہیں۔ جب کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ اس خاکدان ہستی میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ کئی صدیوں کے بعد وہ بریلی کی

سرزمین پر جلوہ فرما ہوئے لیکن حیرت ہے کہ اپنے گھر کی ان کھلی ہوئی شہادتوں کے باوجود دیوبندی علماء ان ساری بدعات کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا نہیں جھکتے۔ ان تاریخی حقائق کا خون کرتے ہوئے کچھ تو انہیں شرم کرنی چاہئے تھی کہ جن کے روحانی آباء و اجداد خود طرح طرح کی بدعتوں میں ملوث تھے وہ دوسروں کو کس منہ سے بدعتی اور جہنمی کہتے ہیں۔ ؎

مجھ کو دیوانے بھی کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے

اتنی تمہید کے بعد اب آیئے صاحب، سوانح میانجیو نور محمد صاحب کے حالات زندگی پر کتاب کے چند اقتباسات کا جائزہ لیں۔ واضح رہے کہ حضرت میانجیو نور محمد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر و مرشد ہیں۔

لکھا ہے کہ میانجیو کی ولادت ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء بمقام جھنجھانہ ہوئی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد قصبہ لوہاری میں ایک معلم کی حیثیت سے طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔ اسی قصبہ لوہاری کے متعلق شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب کے یہ تاثرات جنہیں اس کتاب کے مصنف نے نقل کیا ہے، دیدہ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

آپ کے زمانہ میں ہندوستان کا دنیاوی پایہ تخت تو دہلی تھا اور روحانی پایہ تخت لوہاری تھا۔ اب جس کو روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے اور جو قبلہ روحانیت قرار پایا۔ اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہیں ہوگا اس کے ایک اشارہ ابرو پر کرامت تو کیا قیامت کا ظہور ہو سکتا تھا۔ (سوانح میانجیو ص ۶۱)

ایک طرف اپنے دادا پیر کے ساتھ جذبۂ دل کی یہ فراوانی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مومنین کے آقا سید العالمین محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے پروردہ نگاہ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی یہ زبان پڑھئے۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویۃ الایمان ص ۱۸، راشد کمپنی دیوبند)

جسے روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہیں ہوگا اور جسے پوری کائنات ارضی و سماوی کی حکومت و خلافت عطا ہوئی اسے کسی چیز کا اختیار نہیں واہ رے دیوبندی بوالعجبی!

☆☆ واقعات ☆☆

میانجیو کے اختیارات و تصرفات کے ثبوت میں مصنف کتاب نے بہت سارے واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے چند واقعات ذیل میں صرف اس لئے نقل کئے جاتے ہیں کہ قارئین کرام دیوبندی مذہب کے تضادات، مسلکی تصادم اور اصولوں سے انحراف کے عبرت انگیز نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور غیر جانب داری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کتاب و سنت میں منافقین کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس دور میں کن لوگوں پر منطبق ہوتی ہیں۔

پہلا واقعہ :

مصنف کتاب، حضرت میانجیو نور محمد صاحب کی غیبی قوت ادراک پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کی عجیب و غریب پیشن گوئی کا حال سنئے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عارف کی نگاہ اس دنیا میں جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتی ہے حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پیرو مرشد کے ساتھ میرے پیر بھائی شیخ امام الدین تھانوی، جھنجھانہ گئے تھے اور وہ زمانہ حضرت کے مرض الموت کا تھا، جب شیخ، تھانہ بھون واپس آنے لگے تو حضرت نے فرمایا جسے دنیا میں جنتی دیکھنا ہو ان کو دیکھ لے۔ (سوانح میانجیو ص ۶۵)

ایک طرف اپنے دادا پیر میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی کے بارے میں دیوبندی علماء کا یہ کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمائیے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی ہے۔ یہ معلوم کرنے کی قوت انہیں دنیا ہی میں حاصل تھی اور وہ صرف دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ جنتی ہے اور وہ دوزخی ہے لیکن حبیب کبریا سید الانبیاء ﷺ کے بارے میں علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ اب ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ حضور کو خود اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں تھی دوسروں کا حال تو انہیں کیا معلوم ہوتا......!

اب اس کے بعد بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ علمائے دیوبند کے ساتھ اہل بریلی کے اختلاف کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے تو اسے اپنی رائے کی غلطی واضح طور

پر محسوس کرنی چاہئے۔

دوسرا واقعہ :

لکھا ہے کہ جھنجھانہ ہوتے ہوئے جوگیوں کا ایک گروہ ہر دوار گنگا اشنان کرنے جارہا تھا اس نے جھنجھانہ میں میانجیو کے مہمان کی حیثیت سے ایک رات قیام کیا صبح جب روانگی کا وقت آیا تو اجازت لینے کے لئے ان کا گرو خدمت میں حاضر ہوا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کتاب کی زبانی سنئے۔

> اور عرض کیا ہم ہر دوار جارہے ہیں ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے آپ نے ان کو اپنا لوٹا دیا اور فرمایا کہ ہمارا یہ لوٹا گنگامائی کو دے دینا اور کہنا کہ یہ لوٹا میانجیو نور محمد نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بھر دے اگر وہ بھر کر نہ دے تو مت لانا۔ (سوانح میانجیو، ص ۶۷)

اب اس کے بعد کا واقعہ دیدہ خون آشوب سے پڑھنے کے قابل ہے لکھا ہے کہ :

> لوگ اشنان وغیرہ سے فارغ ہو کر ہر دوار سے لوٹنے لگے۔ تو ہر کی پیڑی پر کھڑے ہو کر کہا کہ یہ لوٹا میانجیو نے دیا ہے اسے جل سے بھر دو فوراً گنگا میں سے ایک زنانہ اور نہایت خوبصورت ہاتھ جس کو مہندی لگی ہوئی تھی اور چوڑیاں پہنے ہوئے تھا بر آمد ہوا اور لوٹا لے لیا اور اسے گنگا جل سے بھر کر واپس کر دیا پھر وہ پانی سے بھرا ہوا لوٹا اس گرو نے آکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ (سوانح میانجیو، ص ۶۸)

واقعہ نگار نے اس گنگا جل کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے کہ وہ پرساد کی طرح آپس میں تقسیم کیا گیا۔ یا تبرک کے طور پر اسے محفوظ رکھ لیا گیا لیکن واقعہ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل سوالات کی زد سے علمائے دیوبند اپنے آپ کو ہرگز نہیں بچا سکیں گے کہ : ....

(۱) گنگامائی کے لفظ کے ساتھ جو عقیدہ لپٹا ہوا ہے وہ اہل اسلام کا ہے۔ یا ہند کے مشرکین کا ؟ اگر اہل اسلام کا ہے تو اسلام کا شرک کے ساتھ تصادم کس بات میں ہے اور کیوں ہے ؟ اور اگر ہند کے مشرکین کا ہے تو علمائے دیوبند اسے بیان کر کے کس کے عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں واضح طور پر بتایا جائے ؟

(۲) کیا یہ واقعہ ہندوؤں کے اس مشرکانہ عقیدے کی صحت کے لئے دلیل فراہم نہیں کرتا کہ دریائے گنگا میں گنگامائی کے نام سے کسی عورت کا وجود فرضی نہیں ہے بلکہ امر واقعی ہے کیا علمائے دیوبند اس الزام سے انکار کر سکیں گے کہ ان کے دادا پیر نے اپنے کشف و کرامات کے ذریعہ ہندوؤں کے ایک مشرکانہ عقیدے کی توثیق فرمائی ہے...... ؟

(۳) ہندوؤں کے عقیدے میں گنگامائی کے نام سے کسی عورت کا وجود فرضی ہے اور اختراعی ہے تو علمائے دیوبند جواب دیں کہ مہندی اور چوڑی والا یہ خوبصورت ہاتھ کس کا ہے...... ؟ جس کا مشاہدہ کرایا گیا۔

(۴) اور اس سوال کا جواب بھی دیا جائے کہ کیا خدائے قدیر اپنے مقرب بندوں کو کشف و کرامات کی قدرت کفر کی تائید کے لئے عطا کرتا ہے ؟
اگر نہیں تو تصرف کا یہ واقعہ کس خانے میں رکھنے کے قابل ہے...... ؟

تیسرا واقعہ :

لکھا ہے کہ جھنجھانہ کے کسی پٹھان کا لڑکا فوج میں بھرتی ہو کر کسی لڑائی پر گیا ہوا تھا جب بہت دن ہو گئے تو اس کے باپ نے میانجیو کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ دعا کر دیجئے کہ میرا لڑکا بخیر وعافیت گھر واپس آجائے جب کچھ دنوں کے بعد لڑکا اپنے گھر واپس آیا تو اس نے اپنی یہ سرگزشت سنائی کہ :

> ایک روز میں میدان جنگ میں تھا اور جنگ جاری تھی اور گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی میں ایک گولی کی زد میں آیا ہی چاہتا تھا کہ اچانک حضرت میانجیو صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک طرف کھینچ لیا اگر آپ ایسا نہ کرتے تو میں گولی کا نشانہ بن جاتا۔ جب تحقیق کیا تو یہی وہ دن تھا جس دن آپ سے دعا کی درخواست کی گئی۔ (سوانح میانجیو ص ۷۴)

اگر لڑکے کا بیان صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ میانجیو کے اندر زبردست غیبی قوت ادراک تھی کہ انہوں نے جھنجھانہ میں بیٹھے بیٹھے یہ معلوم کر لیا کہ لڑکا فلاں مقام پر میدان جنگ میں ہے اور وہ گولیوں کی زد پر ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ماننا

پڑے گا کہ ان کے اندر تصرف کی بھی زبردست قوت تھی کہ پلک جھپکتے وہاں پہنچ گئے اور لڑکے کو گولیوں کی زد سے بچا لیا لیکن غیبی قوت ادراک اور تصرف کا یہ عقیدہ جسے میانجیو کے حق میں بطور واقعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسے علمائے دیوبند سید الانبیاء رسول اکرم ﷺ کے حق میں شرک سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لئے تقویۃ الایمان کا کوئی بھی ورق کھول لیجئے آپ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

چوتھا واقعہ :

لکھا ہے کہ اپنی وفات کے وقت میانجیو نور محمد صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو اپنے قریب بلایا اور الوداعی کلمات ارشاد فرمائے کہ میرا ارادہ تھا کہ سلوک کی منزل طے کرانے کے لئے تم سے مجاہدہ اور مشقت لوں گا لیکن مشیت ایزدی میں کوئی چارہ نہیں عمر نے وفا نہ کی اس کے بعد حاجی صاحب کی زبانی مصنف کتاب نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

> حضرت جی نے جب یہ کلمہ فرمایا میں پٹی میانہ (ڈولہ) کی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی و تشفی دی اور کہا کہ فقیر مرتا نہیں صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتا ہے۔ تم کو فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہو گا جو ظاہری زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا۔ (سوانح میانجیو ص ۷۶)

سیدنا الانبیاء ﷺ کی قبر شریف تک سے کسی فائدہ کا عقیدہ رکھنا دیوبندی مذہب میں شرک ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی شرک کو کتنی

خوبصورتی کے ساتھ یہاں ایمان بنالیا گیا ہے۔ اب اس عقیدے کو امر واقعہ بنانے کے لئے مصنف کتاب کی یہ تمہید ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت میانجیو رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پر فتوح سے وہی فیضان و عرفان کا سرچشمہ جاری ہے اور آپ کے ارشاد عالی کے مطابق آپ کے مزار مقدس سے بھی وہی فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں جو آپ کی ذات قدسی صفات سے ہوتے تھے۔ (سوانح میانجیو، ص ۷۸)

اس سلسلے میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا بیان چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

قطب عالم حضرت میانجیو رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد دیکھنا ہماری روشنی کس قدر پھیلے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے۔ جہاں آپ کے چراغ سے جلے ہوئے نئے اور پرانے چراغ تمام عرب و عجم میں جگمگا رہے ہیں وہاں خود عرفان و فیضان الٰہی کا چراغ بھی مرقد کے سرہانے ہنوز جل رہا ہے اور ہمیشہ جلتا رہے گا۔ (سوانح میانجیو، ص ۷۸)

پانچواں واقعہ :

اب اس دعوی کے ثبوت میں کہ وفات کے بعد بھی آپ کی روح پر فتوح سے وہی فیضان و عرفان کا سرچشمہ جاری ہے مصنف کتاب نے یہ واقعہ نقل

کیا ہے کہ۔!

یہ عجیب ترہات ہے کہ حضرت کے مزار معلّی سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کئے بلکہ مادی فوائد بھی ان کو حسب ضرورت پہنچے۔ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا۔ بعد انتقال حضرت کے مزار پر بعد فاتحہ اس نے عرض کی حضرت میں بہت پریشان اور تنگی معاش میں مبتلا ہوں میری کچھ دستگیری فرمائیے۔ حکم ہوا تم کو ہمارے مزار سے دو آنے روز ملا کریں گے ایک مرتبہ میں زیارت کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ پائیں قبر (قبر کی پائنتی) سے ملا کرتا ہے۔

(سوانح میانجیو، ص ۷۹)

چھٹا واقعہ :

مصنف کتاب نے اپنے اس دعوی کے ثبوت میں کہ حضرت کے مزار معلی سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کئے بلکہ مادی فوائد بھی انہیں حسب ضرورت حاصل ہوئے ایک اور تہلکہ خیز واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ محمد صادق نام کے ایک صاحب تھے۔ جو مولانا شیخ محمد تھانوی کے مرید تھے۔ ایک دن ان کی نماز تہجد قضا ہو گئی تو ان کے پیر نے حکم دیا کہ تم

یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارا کام نہیں اپنے پیر کے حکم کے مطابق وہ اپنے گھر چلے آئے اور دل میں طے کیا کہ اپنے دادا پیر میانجیو کے مزار پر حاضری دینی چاہئے۔ ان کے پاس زادراہ کے لئے صرف دو پیسے تھے ایک پیسہ کا ستو اور ایک پیسہ کی شکر لے کر وہ تھانہ بھون سے جھنجھانہ کے لئے روانہ ہوگئے لکھا ہے کہ میانجیو کے مزار پر پہنچنے کے بعد پانچ وقت ستو سے گزر کیا۔ چھٹے وقت جب کھانے کے لئے پاس کچھ نہ رہا تو میانجیو کے مزار سے لپٹ کر خوب روئے اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنئے لکھتے ہیں کہ

> شب میں حضرت میانجیو کو خواب میں دیکھا فرمارہے ہیں کہ محمد صادق! لے اپنے دو پیسے جو تیرے خرچ ہوئے ہیں۔ آنکھ کھلی تو ہاتھ میں دو پیسے تھے (مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ) صبح کو میں حضرت میانجیو کے مزار کی مسجد میں تھا کہ ایک صاحب (یعنی میانجیو کے بھتیجے) نے آکر آواز دی۔ مسجد میں کوئی محمد صادق صاحب ہیں۔ میں پہنچا، وہ آنے والے صاحب ایک خوان میں کھانا لئے ہوئے تھے جو گرم تھا وہ فرمانے لگے کہ رات چچا جان خواب میں آئے اور فرمایا ہمارے مزار پر محمد صادق مہمان تین دن سے آئے ہوئے ہیں ان کے دو پیسے خرچ ہوئے تھے وہ تو ہم نے ان کو دے دیئے لیکن وہ رات سے بھوکے ہیں ان کو کھانا کھلاؤ۔ (سوانح میانجیو ص ۷۹)

اب اس کے بعد کا واقعہ سنئے مصنف کتاب محمد صادق کا یہ بیان نقل

کرتے ہیں کہ :

> **میں کھانا کھا کر نماز چاشت پڑھ کر فارغ نہیں ہوا تھا کہ گاڑی کے زنگولے (گڑگڑاہٹ) کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ محمد صادق ہمارے ساتھ چلو۔ رات حضرت میانجیو نے فرمایا ہے تم اسے لے آؤ ہمارے یہاں سختی نہیں ہے۔**
>
> **(سوانح میانجیو، ص ۸۰)**

اب غیر جانب داری کے ساتھ اس واقعہ کا جائزہ لیجئے تو دیوبندی مذہب کے مطابق آپ کو اس واقعہ کے ساتھ بہت سے شرکیہ عقیدے لپٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ مثال کے طور پر

(۱) اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو ان کو یہ بات کیوں کر معلوم ہوئی کہ اس سفر میں محمد صادق کے دو پیسے خرچ ہوئے ہیں اور وہ رات سے بھوکا ہے؟

(۲) اگر ان کو علم غیب نہیں تھا تو انہیں یہ بات کیوں کر معلوم ہوئی کہ شیخ محمد تھانوی نے تہجد کی نماز قضا ہونے پر ان کے ساتھ سختی کی ہے اور انہیں اپنے یہاں سے نکال دیا ہے۔ لہذا اسے واپس بلا لیا جائے......؟

(۳) اگر ان کے اندر بعد مردن تصرف کی قوت نہیں تھی تو دو پیسے وہ کہاں سے لائے اور خواب میں اس کے ہاتھ پر رکھ کر چلے گئے......؟

(۴) اگر وہ صاحب تصرف، سمیع وبصیر اور خزانہ الٰہی کے مالک نہیں تھے تو دیوبندی بولی میں اس غریب جولاہے کو دو آنے یومیہ ان کی قبر کی پائنتی سے کیوں کر ملا کرتا تھا......؟

ان سارے سوالات کے خلاف تقویۃ الایمان' بہشتی زیور اور فتاوی رشیدیہ کے سیاہ اوراق چیخ رہے ہیں اور بہانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ غیب دانی اور تصرف کا یہ عقیدہ ولی تو ولی بلکہ نبی' بلکہ سید الانبیاء تک کی قبر شریف کے ساتھ بھی صریح شرک اور کھلی ہوئی بت پرستی ہے۔ اور اس طرح کی قدرت خدا کی ذات کے سوا کسی کے اندر بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہی صریح شرک اور کھلی ہوئی بت پرستی دیوبندی علماء کے یہاں اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کس طرح عین اسلام' عین توحید اور امر واقعہ بن گیا ہے۔ ؎

پیرہن پھاڑ لیں غنچے تو وہ زینت ٹھہرے
ہم گریباں بھی کریں چاک تو رسوائی ہے

ہے کوئی حق کا سچا حمایتی جو ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کرے اور دیوبندی مولویوں سے پوچھے کہ جب تمہارے یہاں بھی بزرگوں کی قبروں سے روحانی اور مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اب علمائے اہلسنت کے خلاف تمہارا الزام کیا ہے.....؟ طرح طرح کے بدعات میں جو خود ملوث ہوا سے دوسروں کو بدعتی کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے......؟

ایک طرف قبر پرستی اور اس کی ترغیب کا یہ منظّم کاروبار دیکھئے اور دوسری طرف یہ منافقانہ کردار ملاحظہ فرمائیے کہ یہ لوگ نجدیوں کے سامنے اپنے آپ کو ہندوستان میں توحید کا سب سے بڑا اجارہ دار بنا کر پیش کرتے ہیں اور نجدی حکومت کا تقرب حاصل کر کے یہ لوگ علماء بریلی کے خلاف لگانے بجھانے اور منافرت پھیلانے کا کام اتنی پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں کہ اب یہی ان کا ذریعہ معاش بن گیا ہے نجدی حکومت سے کروڑوں ریال انہوں نے صرف اس نام پر حاصل کیا ہے کہ شرک وبدعت کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ہندوستان میں جگہ جگہ مدارس کھولیں گے اور مراکز قائم کریں گے۔

کاش! نجد کے قاضیوں کو معلوم ہو جاتا کہ کتاب التوحید کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے والے یہ دیوبندی علماء اندر سے کتنے بڑے مشرک' بدعتی اور قبر پرست ہیں لیکن مادی منفعت (۱) کی لالچ میں وہابی مذہب کے ساتھ منسلک ہو گئے ہیں۔ آج حرمین طیبین پر نجدیوں کی حکومت ہے تو وہاں یہ لوگ حکومت کو خوش کرنے کے لئے سید الانبیاء ﷺ اور ان کے مقربین کے خلاف ایسی گستاخانہ تقریریں کرتے ہیں کہ ہندوپاک میں کریں تو زبان کھینچ لی جائے۔ لیکن کل اگر نجدیوں کی حکومت کا تختہ پلٹ جائے اور ایسی حکومت برسر اقتدار آجائے جو رسول پاک اور ان کے مقربین کی وفادار ہو تو ایک ہی رات میں یہ نجدیوں کے سب سے بڑے دشمن اور رسول عربی ﷺ کے سب سے بڑے جاں نثار بن جائیں گے۔

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حاشیہ :

(۱) موسم اور مفاد کے مطابق مذہب کی تبدیلی کا یہ کارنامہ علماء دیوبند پہلے بھی انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ نجدی اقتدار اور ان کے ریال کی جھنکار سے پہلے علمائے دیوبند ابن عبد الوہاب نجدی کو گمراہ، بد دین اور گستاخ رسول کہا اور لکھا کرتے تھے۔ ثبوت کے لئے مولوی حسین احمد ٹانڈوی، شیخ دیوبند کی مشہور کتاب "الشہاب الثاقب" ملاحظہ کر لیں۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کے غیر مقلدین نجدی سعودی عقائد سے ہمنوائی کے طفیل سعودی ریال سے مالا مال ہو رہے ہیں تو دنیائے دیوبند کے معتمد و مستند علماء ملا فرقان صاحب، مولوی منظور نعمانی صاحب، شیخ التبلیغ زکریا کاندھلوی صاحب، قاری طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مل جل کر یہ فیصلہ کیا کہ اب ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف اپنے علماء کی تحریروں سے رجوع کیا جائے اور وہابیوں کو اچھا گردانا جائے تاکہ ہمیں بھی ریال سے مالا مال ہونے کا موقع ملے۔ چنانچہ یہاں منظور سنبھلی صاحب نے اس سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے "شیخ عبدالوہاب نجدی کے خلاف پروپیگنڈہ" جس میں موصوف نے ایڑی چوٹی تک کا زور اس بات پر لگایا ہے کہ ہمارے علماء نے ابن عبدالوہاب کو جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ نیک آدمی تھا اور اس کے عقائد اچھے تھے اس چوٹی کی کتاب پر مہتمم دارالعلوم دیوبند اور شیخ التبلیغ صاحب کی زوردار تقریظ و تصدیق بھی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کو پہلے عربی زبان میں شائع کیا گیا ہے اور پھر اردو میں تاکہ حکمران نجد کا ذہن صاف کیا جائے اور مال منفعت ملنے میں دیر نہ ہو۔

(عبدالمبین نعمانی)

معیار حق

علمائے حرمین شریفین کا سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے حضور خراج عقیدت

عرب کے وہ علماء جو سعودی حکومت کے غاصبانہ قبضہ سے پہلے کے ہیں اور جن میں سے ۳۳ مفتیان کرام نے دیوبندیوں وہابیوں کی رسول دشمنی کے باعث اشرفعلی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی وغیرہ پر کفر وارتداد کا فتوی دیا انہیں کا ایک پر اعتماد تاثر اعلیٰ حضرت کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

اِذَا جَآءَ رَجُلٌ مِنَ الْهِنْدِ سَئَلْنَاهُ عَنِ الشَیْخِ اَحْمَدْ رَضَا خَانْ فَاِنْ مَدَحَهٗ عَلِمْنَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ السُنَّةِ و اِنْ ذَمَّهٗ عَلِمْنَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ وَهٰذَا هُوَ الْمِعْیَارُ عِنْدَنَا۔

جب کوئی شخص ہندوستان سے عرب آتا ہے تو ہم لوگ ان سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے بارے میں پوچھتے ہیں اگر وہ ان کی تعریف کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ صحیح العقیدہ سنی ہے اور اگر برائی کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ دیوبندی وہابی ہے تو اے بھائی، جان لو......! امام احمد رضا ہمارے یہاں حق وباطل کے درمیان فرق پیدا کرنے کا معیار ہے۔